# انقلاب علم کے بغیر ممکن نہیں

تحریر: سہیل احمد لون

وطن عزیز میں ہر شئے اتنی سیاسی ہوتی جا رہی ہے کہ اب ایسے ادارے جن کا سیاست سے براہ راست تعلق نہیں ہونا چاہیے وہ بھی ملکی سیاست کا جزو خاص لگتے ہیں۔ چیف عدالت عظمی کا ہو یا عسکری قیادت کا......ذرائع ابلاغ میں اسی مقام پر فائز دکھائی دیتے ہیں جہاں سیاسی اکابرین۔ ہماری ہیڈ لائنز یا اخبار کا فرنٹ پیج اس وقت تک نامکمل تصور کیا جاتا ہے جب تک چیف صاحبان کا ذکر خیر نہ ہو جائے۔ مجھے پچیس برس برطانیہ اور یورپ میں روزگار کے حصول میں گزر چکے ہیں یہاں کی اخبارات اور نیوز چینلز سے بھی واسطہ رہتا ہے مگر حیرانگی اس بات پر ہے کہ یہاں سب کے لیے سستا اور آسان عدل وانصاف بھی نظر آتا ہے اور امن وامان کی صورت حال بھی تشویش ناک نہیں لیکن پھر بھی ''چیف صاحبان'' کے نام سے کوئی واقف نہیں۔ میڈیا میں صرف ایسے کیس کی تشہیر ہوتی ہے جس میں عوام کی دلچسپی یا عوامی پہلو ہو۔ آئیرلینڈ میں ایک کیس جج کے فیصلہ کرنے کے انوکھے طریقے کی وجہ سے اخبارات کی زینت بنا۔ ایک پندرہ برس کا آئرش طالب علم سکول سے 114 دنوں میں 91 مرتبہ غیر حاضر رہا۔ یہاں کے قوانین کے مطابق ہر بچے پر مخصوص حد تک تعلیم حاصل کرنا فرض ہے اگر بچہ ماں باپ کے ساتھ رہتا ہے تو ماں باپ کا فرض ہے کہ بچے کو تعلیم حاصل کرنے میں بھرپور تعاون پیش کریں۔ اگر ماں باپ بچے کو تعلیم حاصل کرنے کے حق اور فرض سے محروم رکھیں گے تو وہ چائلڈ ابیوز کے مجرم تصور کیے جائیں گے۔ پندرہ برس کے آئرش طالب علم کو جب والدین سمیت عدالت میں پیش کیا گیا تو جج ایلن مچل (Alan Mitchell) نے تمام بیانات سننے کے بعد فیصلہ سنانے کا انوکھا انداز اپنایا۔ جج نے لڑکے کو چوبیس گھنٹے سوچنے کی مہلت دی اور اس بات کا اختیار بچے کو دے دیا کہ وہ اس بات کا فیصلہ خود کرے کہ اس کے ماں یا باپ میں کس کو ایک ماہ کے لیے پابند سلاسل کیا جائے۔ تا کہ دوسرا اس کی گھر میں دیکھ بال کر سکے۔ والدین کا کہنا تھا انہوں نے اپنے بچے کو سکول بھیجنے کی بھرپور کوشش کی ہے مگر وہ خود ہی سکول جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس پر جج ایلن مچل نے کہا کہ اگر ہر بچہ سکول جانے یا نہ جانے کا فیصلہ خود کرنے لگ جائے گا تو اس ملک میں انارکی آجائے گی۔ اس موقع پر Galway شہر کا سٹی ایجوکیشن آفیسر جناب پاؤل کیورا (Paul McCavera) نے عدالت کو بتایا کہ انہوں نے اپنے ادارے کی طرف سے مذکورہ فیملی کو مدد فراہم کرنے پیشکش بھی کی تھی مگر والدین نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ عدالتی کاروائی سے قبل والدین کو وارننگ نوٹس اور عدالت سے سمنز جاری بھی ہوئے تھے مگر والدین عدالت میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ جج ایلن مچل کا فیصلہ موضوع بحث بھی بنا، کچھ لوگ والدین کی بجائے خود سر بچے کو سزا دینے کے حق میں تھے اور کچھ جج کے فیصلے سے مطمئن بھی۔ یہاں قانون بچوں کو والدین اور اساتذہ سے زیادہ تحفظ فراہم کرتا ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ استاد تو درکنار والدین بھی اپنے بچے پر سختی کرنے کے مجاز نہیں اگر کوئی شہری اس بات کی شکایت کر دے کہ اس نے کسی والدین کو اپنے بچے پر تشدد کرتے دیکھا ہے تو پھر ادارے حرکت میں آجاتے ہیں۔ بعض اوقات تو بچے کو اپنی تحویل میں بھی لے لیتے

ہیں۔ایسے واقعات میں سب سے زیادہ نشانہ بننے والے ایلثین والدین ہیں۔بچوں کو دیے گئے اختیارات ان کو خراب کرر ہے ہیں یا فعال یہ ایک علیحدہ بحث ہے مگر بچوں کی بنیادی تعلیم لازمی ہونا ایسا قانون ہے جس کی بنا پر آج یہ مما لک جہالت کے اندھیروں سے نکل کر ترقی کے روشن مینار بن چکے ہیں۔اس وقت یہودیوں کی دنیا میں کل آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے، ہمارے لاہور کراچی جیسے شہر کی آبادی اس سے زائد ہے مگر گزشتہ صدی میں 180 نوبل پرائز یہودی سائنسدانوں کے حصہ میں آئے اور صرف 1 نوبل پرائز ہمارے سائنسدان کے حصہ میں آیا۔تمام اسلامی مما لک میں 500 یونیورسٹی ہیں جبکہ صرف انڈیا میں 8407 یونیورسٹی ہیں اور امریکہ میں ان کی تعداد 5758 ہے۔مسلمان ملکوں میں پڑھے لکھے لوگوں کا تناسب 40فیصد جبکہ مسیحی ملکوں میں یہ تناسب 90فیصد اور 15 ملکوں میں تو تناسب100فیصد بھی ہے۔بدقسمتی سے کسی مسلمان ملک میں خواندگی کی شرح 100فیصد نہیں۔مسلمان ملکوں میں یونیورسٹی میں داخلے کا تناسب صرف 2فیصد اور مسیحی ملکوں میں یہ تناسب 40فیصد ہے۔کسی بھی ملک کا نظام چلانے کے لیے، قانون سازی کرنے کے لیے، اندرونی وبیرونی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے، داخلی وخارجی امور کو بہتر کرنے کے لیے، عوامی مسائل احسن طریق سے حل کرنے کے لیے، بجٹ بنانے کے لیے، امن وامان قائم رکھنے کے لیے پارلیمنٹ کا وجود قائم کیا جاتا ہے جس میں زندگی کے ہر شعبہ کا ایکسپرٹ تھنک ٹینک کا حصہ بنتا ہے تعجب کی بات ہے ہمارے پارلیمنٹ کا حصہ بننے کے لیے کسی پیشہ ورانہ مہارت، تعلیمی پس منظر یا ڈگری کی ضرورت نہیں بلکہ شجرہ نسب سیاسی ہونا چاہیے یا حرکتیں ان جیسی ہوں تو بھی کام چل جاتا ہے۔قیام پاکستان سے اب تک کسی نے ملک کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کے لیے بچوں کی کم از کم تعلیم کا قانون نہیں بنایا۔جن مما لک میں بچوں کی بنیادی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے وہاں بنیادی تعلیم کی ذمہ دار ریاست بھی ہے۔والدین کو کم از کم بچے کی بنیادی تعلیم کے لیے خرچے کی فکر میں خرچ ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ہمارے ایوان صدر اور ایوان وزیر اعظم کا سالانہ بجٹ تعلیم کے بجٹ سے زیادہ ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہمارے حکمران عوام کو تاریکی کی دلدل سے نکالنے میں مخلص نہیں۔اب تک اقتدار میں آنے والی سیاسی جماعتوں اور عسکری قیادتوں نے تعلیم کے متعلق کبھی ایسی پالیسی کا اعلان نہیں کی جس سے عام انسان مستفید ہو سکے۔اربوں روپیہ محض جنگلہ بس منصوبے پر لگا دیے جاتے ہیں مگر اس بارے میں کوئی نہیں سوچتا کہ پہلے عوام کو اتنا باشعور تو بنا لو کہ وہ جدید سفری سہولتوں کو استعمال کرنے کے قابل بھی ہو جائے۔آج ملک میں دہشت گردی کی وجہ سے امن وامن کی صورت حال نہایت تشویش ناک ہے جس کی بنیادی وجہ علمی پستی بھی ہے۔شعور تعلیم کے بنا بیدار نہیں ہوسکتا تعلیم کی اہمیت کا تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج نے پندرہ سو برس قبل آپ ﷺ فرمایا تھا کہ علم حاصل کرو چاہے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔موجودہ حکومت مفاہمت کے ایندھن سے جمہوری پٹری پر رواں دواں ہے، انتخابی مہم میں دھواں دار تقاریر، بلند وبانگ وعدے اور دعوے، مخالفین کی کردار کشی، ماضی میں ڈیلور نہ کرسکنے کی طعنے دینے کے بعد تا حال عوام کو ریلیف دینے میں ناکام ہے۔عوامی خدمت کی تنخواہ لینے والے اگر کبھی کچھ عوامی بھلائی کا کام کر بھی دیں (جو عوام پر احسان نہیں) اس کا پرچار کرنا وہ سیاسی فریضہ سمجھتے ہیں۔اب تو انقلاب اور نیا پاکستان بنانے کا نعرہ بھی روٹی کپڑا مکان، سب سے پہلے پاکستان، قرض اتارو ملک سنوارو جیسے سیاسی نعروں کی طرح ہی محسوس ہو رہا ہے۔مگر تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ کبھی جاہل انقلاب نہیں لائے۔ہم اگر واقعی ملک میں تبدیلی چاہتے ہیں تو سیاسی جماعتوں کے منشور میں تعلیمی پالیسی کو

ضرور دیکھیں۔ کیونکہ ایسے ہجوم کو قوم بنانے کے لیے جو جہالت کی گہری نیند میں ہو، ایسے تعلیمی نظام کی ضرورت ہے جو عوامی شعور کو بیدار کر سکے۔اس کے لیے یکساں تعلیمی مواقع ،نظام اور نصاب کی ضرورت ہے، یہ بات تو موجودہ حکومت کے انتخابی منشور میں بھی شامل تھی، کم از کم تعلیم میٹرک ہو اور غریب کے لیے مفت ہو تا کہ عوام کی سوچ میں وسعت آئے اور آنے والی نسل اس ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ہمارے آباؤاجداد نے علم کی روشنی سے فیض یاب ہو کر دنیا پر حکومت کی تھی اور یہ قانون آج تک نہیں بدلا۔کاش !وطن عزیز میں بھی کبھی ایسی خبر پڑھنے یا سننے کو ملے کہ عدالت میں جج نے والدین ،سرپرست یا کسی ریاستی ادارے کے اہل کار کو اس بنا پر سزا دی کہ انہوں نے بچے کو بنیادی لازمی تعلیم دلوانے میں مجرمانہ غفلت برتی ہو مگر ایسا صرف سوچا ہی جا سکتا ہے۔ایک عظیم انقلاب کے آنے تک۔۔!!!


تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن-سرے

sohailloun@gmail.com


02-02-2020